قیامِ امن میں جدید ریاستی اداروں کا کردار تعلیمات قرآنی کی روشنی میں ایک تجزیہ

An analysis of the role of modern state institutions in establishing peace in the light of Quranic teachings

Dr. GHULAM RASOOL ZAHID
Addl IG Investigation Punjab
grzahid2002@yahoo.com
Dr. ALI AKBAR AL-AZHARI
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University.Lahore

ABSTRACT

Maintenance of peace and security has always remained the foundational justification for the existence of any state, and more so in a modern state of present day world. Hence the institutions responsible for this fundamental state obligation have pivotal role to play in this regard. The glorious Quran provides more than adequate guidance for modern state institutions to ensure in a systematic and organized manner the promotion of maroof and containment of munkar. The holy Quran lays down golden principles of strategy for Police, the most significant institution entrusted with this prime responsibility of state. The legislative institutions and Criminal Justice System have ample guidance to formulate policies and strategise implementation mechanism in the light of Quranic teachings. The Quranic guidance for the crucial institution of ihtisaab bestows principled and pragmatic outlines for the effective and meaningful functioning for strict vigilance and performance of these state institutions.

Keywords: state, peace, institutions, maroof, munkar, police, legislature, ihtisaab.

کسی بھی ریاست کا قیام اور وجود اسکے مقاصد سے ہی متشکل ہوتا ہے۔ان مقاصد میں قیام امن وہ بنیادی عنصر ہے جو ریاست کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ریاستی اداروں کی جدید تشکیل دراصل اسی ریاست کا تعارف پیش کر تی ہے جسے ریاست مدینہ کی اسلامی عقائد و تصورات پر مبنی اولین اسلامی ریاست قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے نمایاں اوصاف اور خدوخال میں امن وفلاح کے لئے شہری نظم ونسق، نظام عدل وانصاف، فوجی تنظیم سازی کے ضمن میں دفاعی نظام، مالی نظام کے سلسلے میں معاشی اقدامات، تعلیمی ترقی اور فروغ کے پروگرام اہلیت کے حامل عمال کی تقرری، لائق تقلید مذہبی نظام کے ضمن میں مساجد اور مذہبی اداروں کا تربیتی کردار کے موثر طریقے شامل ہیں۔

اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد میں سے اجتماعی اطاعت، شرعی احکام کا تحفظ اور ان کی عملداری، عدل کا قیام، آئین و قانون کا نفاذ اور اس کی پاسداری، معاشی نظام اور فلاح عامہ کے مختلف شعبہ جات کا قیام، سلامتی واستحکام کا فروغ، ملکیت کا حق اور اس کا تحفظ، اقلیتوں اور ان کے حقوق کا تحفظ وغیرہ شامل ہیں۔ ریاست کے تمام شعبہ جات میں بنیادی حکمت عملی کا نصب العین

ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام ہوتا ہے۔ مشہور قول ہے کہ (فَإِنَّ الْمُلْكَ يَبْقَى عَلَى الْكُفْرِ وَلَا يَبْقَى عَلَى الظُّلْمِ)[1] "بلاشبہ ایک ملک نظام کفر پر تو رہ سکتا ہے لیکن نظام ظلم پر اس کی بقا ممکن نہیں ہے"۔ ریاستی رٹ (writ) قائم رکھنے اور ظلم کے خاتمے نیز افراد کے باہمی تعاون و مشارکت کے لیے منظم اجتماعی اداروں کی ضرورت ہوتی ہے، جو ریاست کے کام میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

''لماكَانَ الْملك لَايَسْتَطِيع إِقَامَةهَذِه الْمصَالح كلهَابِنَفسِهِ وَجب أَني كون لَهُ بِإِزَاءِكل حَاجَةأعوان'' (2)

''حکمران کے لیے تنہا امور مصالح (حکومتی معاملات) کو سرانجام دینے کی طاقت نہیں ہوتی، لہٰذا ہر کام کے لیے اس کے معاونین کا ہونا ضروری ہے''۔

اس ضمن میں درج ذیل شعبہ جات ہیں جو قرآنی احکامات کی روشنی میں عہد حاضر کے جدید ریاستی اداروں کے لئے عوام الناس کی فلاح و بہبود اور امن و استحکام کی بقا و استقرار کے لیے ناگزیر ہیں۔

ا۔ ترویج معروف و انسداد منکر:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾[3]

''بلاشبہ خدا عدل اور احسان کا اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور فحش حرکتوں اور منکر افعال سے اور بغاوت سے روکتا ہے وہ تمہاری تذکیر کے لیے نصیحت کرتا ہے''۔

امام رازی تفسیر کبیر میں بیان کرتے ہیں:

---

(1) ابن الاثیر جزری، أبوالحسن علی بن ابی الکرم، (1420ھ)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج9، ص301

(2) شاہ ولی اللہ، ابن عبدالرحیم الدھلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، ج:1، ص:95

(3) سورۃ النحل، 90/16

" فی تفسیر هذه الایة، اکثر الناس فی تفسیر هذه الایة قال ابن عباس: فی بعض الروایات العدل شهادة ان لا اله الا الله، والاحسان اداء الفرائض . ... العدل هو التوحید، والاحسان الاخلاص فیه"(1)

"اس آیت کی تفسیر میں اکثر لوگوں کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے مطابق بعض روایات میں عدل سے مراد اس امر کی شہادت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور احسان کا مطلب ہے فرائض کو ادا کرنا . ...العدل دراصل توحید ہے اور الاحسان اس میں اخلاص کا ہونا"۔

اس منہج کو سمجھانے اور سکھانے کے لیے نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی، اور آپؐ نے وحی الٰہی یعنی قرآن کے ذریعے اپنی امت کی رہنمائی فرمائی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ﴾(2)

"اے بنی نوع انسان تمہارے ہاں تمہارے پرورگار کی جانب سے نصیحت پر مبنی ہدایت آپہنچی ہے"۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے اندازِ کلام اور طریقہ خطاب کے انتخاب کے لیے قرآن مجید میں جو رہنما اصول متعین کیے گئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ:

﴿ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾(3)

"آپؐ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلائیں اور اُن کے ساتھ اس طریقے سے بحث مباحثہ کریں جو سب سے بہتر ہے۔ بے شک آپ کا پروردگار اُن لوگوں سے بھی خوب واقف ہے جو اُس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اُن سے بھی اچھی طرح آگاہ ہے جو ہدایت یافتہ ہیں"۔

مفسر امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(1) الرازی، فخر الدین، محمد، الامام، (س ن)، تفسیر الفخر الرازی المشتہر بالتفسیر الکبیر ومفاتیح الغیب، ج:20، ص:103

(2) سورۃ یونس، 57/10

(3) سورۃ النحل، 125/16

"قریش کے ساتھ صلح کے زمانے میں یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی،اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ میرے دین اور شریعت کی جانب بڑی شفقت اور نرمی کے ساتھ دعوت دیں، سختی اور تشدد سے گریز کریں۔ قیامت تک مسلمانوں کو اسی انداز میں نصیحت کی جانی چاہیے، یہ مؤحد گنہگار مومنوں کے لحاظ سے محکم آیت ہے اور کافروں کے لحاظ سے حکم جہاد کے ساتھ منسوخ ہے،ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کسی کافر کی بھی یہی کیفیت ہو اور بغیر جہاد کے اس کے ایمان لانے کی امید ہو تو پھر یہ آیت منسوخ نہیں ہے (بلکہ اس کے ساتھ نرم انداز ہی اختیار کیا جائے گا)"۔(1)

عمدہ کلام اور حسنِ معاشرت سے لوگوں کی عام زندگی پر بہترین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس لیے اللہ رب العزت نے انبیا کرام علیہم السلام،داعیانِ اسلام اور ریاست کے تمام افراد کو اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾(2)

"اور عوام الناس کے ساتھ خوش اسلوبی سے گفتگو کیا کرو"۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

"اس کے معنی ہیں کہ آپ لوگوں سے اچھی بات کہیں اور ان کے پسندیدہ انداز میں ان سے بحث کریں"۔(3)

رہا ریاستی اداروں کے قیام کا تعلق تو فی الاصل ان کا بنیادی مقصد بھی معروف و منکر کے اصولوں کی روشنی میں تنفیذ قانون ہوتا ہے، لیکن ان میں بھی چند ایک شعبہ جات کے علاوہ دیگر شعبوں پر معاشرتی اصول منطبق ہو گا۔

۲۔ قیام امن میں پولیس کا کردار:

پولیس کی کارکردگی کو درست سمت میں گامزن کرنے والی بنیادی چیز حکومت کی طرف سے ملنے والے اختیارات اور نظام احتساب ہیں جو آئین و قانون کے مندرجات کی روشنی میں ترتیب دیے جاتے ہیں۔یہی اقتدار واختیار نیز وسائل واسباب جن میں اسلحہ اور جدید آلات وغیرہ شامل ہیں، عوام کو قانون شکنی سے باز رکھتے ہیں۔ فوج کے ذریعے سرحدوں کی حفاظت ہو یا پھر

(1)قرطبی، محمد بن احمد بن ابو بکر،ابو عبداللہ،امام، تفسیر قرطبی مترجم،مترجم: سیّد اقبال شاہ گیلانی،ج:5،ص:616

(2)سورۃ البقرۃ،83/2

(3)آلوسی،سید محمود،شہاب الدین،ابو الفضل،علامہ،(1420ھ)، تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان،ج:1،ص:308

پولیس کے ادارے کے ذریعے اندرونی امن وامان کو قائم رکھنا، دونوں صورتوں میں اسلحہ اور آلاتِ حرب کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهم وَ اسلحتهم﴾[1]

"انہیں چاہیے کہ وہ حفاظتی ڈھال اور اسلحہ بھی اپنے ساتھ لے لیں"۔

ساجد الرحمن کاندھلوی Every Man Encyclopedia کے حوالے سے نظام پولیس سے متعلق رقمطراز ہیں:

"پولیس کی اصطلاح ہر چند کہ نئی ہے مگر شاید اس کا نشوو ارتقا جرمن قبائل کے نسلی گروہوں (Kin Group ofthe Teutonic Tribes) سے ہوا ہے۔ جہاں تک جدید برطانوی اور امریکی پولیس کا تعلق ہے تو اس کی اصل بنیادیں ان دس مردوں کی جماعت (A group of ten free men) میں تلاش کی جا سکتی ہے، جو اینگلو سیکسن ٹی دِھنگ (Anglo-saxon Tithes) کے نام سے متعارف ہے جو نہ صرف باہم ایک دوسرے کے کردار پر نظر رکھتے تھے بلکہ غلط کار کو (قانون) کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے"۔([2])

اسی ادارے کو ظاہری حفاظت کی ذمہ داری کے اعتبار سے قرآن کریم میں برادرانِ یوسفؑ کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے، جس سے حفاظت کے لیے ریاستی سطح پر ایک منظم گروہ کی تشکیل کا جواز ملتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِنَّا له لَحٰفِظُوْنَ﴾[3]

"اور ہم اِس کی حفاظت کریں گے"۔

دوسرے مقام پر برادرانِ یوسف نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ حفاظت کا ذمہ لیا، جسے قرآن کریم نے یوں بیان کیا:

﴿وَ نَحْفَظُ اَخَانَا﴾[4]

---

(1)سورۃ النساء، 102/4

(2)کاندھلوی، ساجد الرحمن صدیقی، (1988ء)، اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری۔لاہور، ص:20۔21

(3)سورۃ یوسف، 63/12

(4)سورۃ یوسف، 65/12

"اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے"۔

اسی طرح سورۂ یوسف ہی میں داخلی امن وسلامتی کی ایک شکل یوں بیان کی گئی ہے:

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴾[1]

"پھر جس وقت وہ یوسفؑ کے پاس اندر پہنچے تو آپ نے اپنے ماں باپ کو اپنے ہاں ٹھکانہ دیا، اور فرمایا کہ سرزمین مصر کے اندر داخل ہو جائیں، اور انشاءاللہ آپ پر امن رہیں گے"۔

یہ امن وسلامتی ظاہری اسباب کے بغیر ممکن نہیں تھی، اور یوسف علیہ السلام کی حکومت میں ایسے اہلکار تعینات تھے جو لوگوں کے جان ومال کی حفاظت پر مامور تھے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴾[2]

"وہ کہنے لگے کہ ہم بادشاہ کا پیمانہ تلاش کر رہے ہیں، جو وہ لے کر آئیگا اُسے ایک بار شتر ملے گا، اور میں اس امر کی ضمانت دیتا ہوں"۔

حافظ صلاح الدین یوسف آیت مذکورہ کی تفسیر میں ضمانت دینے سے یہ مراد لیتے ہیں کہ تفتیشی عمل شروع ہونے سے پہلے اگر مال مسروقہ حوالے کر دیا جائے تو بطور انعام اُونٹ پر لدے بوجھ کے برابر غلہ دیا جائے گا۔[3]

جن جرائم پر شریعت نے سزا مقرر کی ہے، دورِ جدید کا قانون بھی ان کی بیخ کنی کے لئے اس سے ہم آہنگ ہے، یعنی اخلاقی اقدار کی خلاف ورزی سے لے کر حدود سے تجاوز کرنے تک ہر قانون شکنی پر سزا کا سامنا کرنا پڑے گا، جدید قوانین بھی عقوبات اور سزاؤں میں اس جواز کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

اس ضمن میں عبدالقادرہ عودہ لکھتے ہیں:

---

(1)سورۃ یوسف، 99/12

(2)سورۃ یوسف، 72/12

(3)صلاح الدین یوسف، حافظ، متوفی 1441ھ، قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودیہ، ص:640

''شریعتِ اسلامیہ جرم کی تعریف میں مکمل طور پر جدید قوانین سے ہم آہنگ ہے۔ جدید قوانین بھی جرم کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ جرم کسی ایسے کام کا کرنا ہے(commission) جسے قانون نے ناجائز قرار دیا ہو، یا کسی ایسے کام کا نہ کرنا ہے(omission) جس کے کرنے کا قانون نے حکم دیا ہو''۔[1]

ساری دنیا کے ریاستی نظام میں پولیس کو ہی داخلی حفاظت کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے، بیت اللہ جس کے امن کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَة لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا﴾[2]

''اور جب ہم نے خانہ خدا کو عوام الناس کے لیے اکٹھا ہونے اور سلامتی کا مقام بنایا''۔

لہٰذا بیت اللہ کی رونقیں اسی امن کی مرہون منت ہیں، جس کی بنا پر لوگ آزادی اور اطمینان قلب سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب کبھی بیت اللہ کے امن کو خراب کرنے کے لیے شر پسند سر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرماتے ہیں کہ ان فسادیوں کو نشانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے۔ یہی امن قرآن کریم میں موجود ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق بھی ہے: ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾[3] ''اے رب! اس شہر کو سلامتی کی جگہ بنا دے''۔ اسی طرح ایام حج کے دوران امن کو بنیادی ضرورت اور اہمیت قرار دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَة اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الهدىِ﴾[4] ''اور جب تم لوگ امن و سلامتی حاصل کر لو تو پھر جو شخص عمرہ و حج کو باہم اکٹھا کر کے فائدہ اٹھائے تو جو قربانی میسر ہو، دے''۔ حج بیت اللہ اور عمرہ کے دوران امن و امان کو قائم رکھنے میں پولیس کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔

مذہبی اجتماعات کی سیکیورٹی کے لیے پولیس کی مدد لینے اور مساجد میں عبادت کرنے کے لیے پولیس کو متعین کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگ امن و امان سے عبادت کر سکیں۔ قرآن کریم اس حوالے سے یوں وضاحت کرتا ہے:

---

(1) عبدالقادر عودہ، (1984ء)، اسلام کا فوجداری قانون، مترجم: ساجد الرحمن کاندھلوی، اسلامک پبلی کیشنز۔ لاہور، ج:1، ص:82

(2) سورۃ البقرۃ، 125/2

(3) سورۃ البقرۃ، 126/2

(4) سورۃ البقرۃ، 196/2

﴿ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾(1)

"پھر جب تم امن وسلامتی حاصل کرلو تو حق تعالیٰ کو یاد کرو اُس طریقے سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے اور جس سے تم واقف نہیں تھے"۔

اسی طرح پولیس ریاست کی کئی طرح سے مدد کرتی ہے، قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾(2)

"اور اگر کوئی مشرک آپ سے جائے پناہ کا طلبگار ہو تو آپ اُسے جائے پناہ عطا کردیں یہاں تک کہ وہ کلام اللہ کی سماعت سے بہرہ مند ہو جائے، پھر ایسے شخص کو اُس کے سلامتی والے ٹھکانے تک پہنچادیں"۔

جرائم کے وقوع پذیر ہونے سے قبل اس کا انسداد کرنا بھی پولیس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، اس کا مقصد معاشرتی طور پر ایسی فضا قائم کرنا ہے جس سے لوگ جرائم سے متنفر ہوں، یا پھر سزا کے خوف سے جرم کرنے سے باز رہیں۔

قرآن کریم میں بیان کردہ لفظ 'قید' سے بھی تحویل میں رکھنے کے لیے ایک ایسے مخصوص ادارے کا ثبوت ملتا ہے، جو مجرموں کو پابند سلاسل رکھنے کی اہلیت رکھے اور اس ادارے کے لوگوں کی ایسی تربیت کی جائے جس سے وہ مجرموں کے اعصاب پر خوف اور رعب طاری کرسکے۔ ساجد الرحمن کاندھلوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"پولیس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسی قوت اور شوکت کی بھی ضرورت ہے جس کی مدد سے وہ مجرموں کے دلوں میں رعب پیدا کرسکے اور اس طرح لوگوں سے فوجداری قوانین اور دیگر تنظیمی قوانین کی پابندی کروا سکے"(3)

پاکستان کی پہلی نیشنل سیکیورٹی پالیسی 2014ء کے مطابق ریاست کی عملداری کو قائم کرنا، تمام اندرونی خطرات سے شہریوں کی زندگی، املاک اور بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا اور داخلی امن کو لاحق خطرات کا انسداد اور پیش بندی کرنا ریاست کے پالیسی مقاصد ہیں۔(1)

---

(1) سورۃ البقرۃ، 239:2

(2) سورۃ التوبۃ، 6/9

(3) کاندھلوی، ساجد الرحمن صدیقی، اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام، ص: ۲۷

پولیس آرڈر 2002ء کے مطابق محکمہ پولیس آئین کے تحت اور ملکی قوانین کے تابع اپنے فرائض سر انجام دیتا ہے تاکہ شہریوں کو جرم اور قانون شکنی کے خلاف تحفظ حاصل ہو اور اُن کے جمہوری حقوق محفوظ رہیں۔[2]

عہد حاضر کی جدید ریاست میں پولیس کی بنیادی ذمہ داریوں اور فرائض میں اُن تمام امور کا احاطہ کیا جاتا ہے جن سے یہ ادارہ معاشرے میں امن واستحکام کا قیام عمل میں لاتا ہے، پولیس آرڈر 2002ء کا آرٹیکل 4 ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کو نہایت جامع انداز میں صراحت سے بیان کرتا ہے۔ مثلاً جان ومال اور آزادی کا تحفظ، امن عامہ کا قیام، زیر حراست افراد کے حقوق کا تحفظ، جرم اور بدامنی کا انسداد وغیرہ۔[3]

اس آرٹیکل میں مذکورہ تمام قواعد وفرائض شرعی احکامات سے ہم آہنگ ہیں، مثلاً کسی کو جرائم کی بنیاد پر گرفتار کرنے اور تحویل میں لینے کا تصور قرآن کریم میں موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾[4]

"وہ کہنے لگی کہ جو شخص آپ کے گھر والوں سے بدی کرنے کا تہیہ کرلے، اُس کے لیے سوائے اس کے اور کیا عقوبت روا ہے کہ یا تو اُسے زندان میں ڈال دیا جائے یا دکھ بھری سزا سے دوچار کردیا جائے"۔

اسی طرح قیدیوں کے بارے میں ایک اور جگہ قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾[5]

"اے نبی! ﷺ، آپ کے قبضے میں جو اسیر ہیں اُنہیں کہہ دیں کہ اگر اللہ کے علم میں یہ بات ہوئی کہ تمہارے دل بھلائی رکھتے ہیں تو وہ جو کچھ تم سے لے لیا گیا ہے اُس سے زیادہ بھلائی والی چیزیں تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت مغفرت والا اور رحم والا ہے"۔

(1). National Internal Security Policy, 2014-2018, Ministry of Interior, Govt. of Pakistan, P.6

(2). Preamble, The Police Order, 2002.

(3). Article 4, The Police Order, 2002.

(4) سورۃ یوسف، 25/12

(5) سورۃ الانفال، 70/8

ذیل میں جرائم کے حوالے سے قرآن حکیم کی چند آیات دی جارہی ہیں۔ بعد میں ان آیات میں پولیس کے فرائض و کردار کے اخذ ہونے والی ہدایات بھی بیان کی جائیں گی۔

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾(1)

"اور چوری کا ارتکاب کرنے والے مرد اور چوری کا ارتکاب کرنے والی عورت کے ہاتھ قلم کردو"۔

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾(2)

"زنا کا ارتکاب کرنے والی عورت اور زنا کا ارتکاب کرنے مرد دونوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک سو کوڑوں کی سزا دو"۔

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾(3)

"اور جو پاک باز عورتوں پر زنا کا الزام عائد کریں، پھر چار گواہی دینے والے پیش نہ کر سکیں تو تم اُنہیں اسّی کوڑوں کی سزا دو"۔

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا﴾(4)

"اور اگر اہل ایمان کی دو جماعتیں باہم لڑائی پر اُتر آئیں تو تم اُن کے مابین صلح کرادیا کرو، پھر اگر اُن جماعتوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر ظلم کا ارتکاب کرے تو تم ظلم کی مرتکب جماعت سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرلے۔ پھر اگر وہ رجوع کرلے تو اِن دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کروادو اور انصاف سے کام لو"۔

(1)سورۃ المائدۃ،38/5

(2)سورۃ النور،2/24

(3)سورۃ النور،4/24

(4)سورۃ الحجرات،9/49

۳۔ قانون ساز ادارے اور نظام عدل:

قول لین اور دعوت واصلاح کے ذریعے ریاست اپنے شہریوں سے معاملہ کرے گی اور اس کے نظامِ حکمرانی میں ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي﴾(1) جیسے آمرانہ طرز کا دخل نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود بھی قانون شکنی اور فتنہ و فساد کی صورت میں امن قائم کرنے والے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے بنیادی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد تیسرا اور اہم ترین شعبہ عدلیہ اور نظامِ عدل وانصاف کا ہے۔ کسی بھی حکومت کو ریاستی امور سرانجام دینے کے لیے سب سے پہلے ملک کا آئین مرتب کرنا ہوتا ہے، تاکہ اس آئین کے تحت عوامی مفاد میں قوانین اور اصول وضع کیے جائیں۔

عدلیہ قوانین کے نفاذ کا سب سے بڑا ادارہ ہے، جو ریاستی طاقت کے ذریعے اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ اگر کسی ریاست کی عدلیہ کمزور اور جانبدار ہوگی تو وہاں عام آدمی کو انصاف ملنا مشکل ہو جائے گا۔ عدالتی نظام کے قیام اور اس کی اہمیت سے متعلق سید عبدالرحمن بخاری لکھتے ہیں:

> "اسلام میں جس قدر اہمیت عدل وانصاف کے نفاذ اور قانون کی حاکمیت کو حاصل ہے اسی قدر نفاذ قانون اور قیام عدل کے اس سب سے بڑے ادارے یعنی قضاء کو حاصل ہے کہ قضاء کے بغیر ایسے معاشرے کا تصور بھی ناممکن ہے جس میں لوگوں کے حقوق میں معقول توازن وتناسب پایا جاتا ہو اور ہر فرد کو بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق مل جاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظام قضاء کا قیام اور ایک بالاتر عدلیہ کی تشکیل اُمت مسلمہ کا فرض قرار دیا ہے"۔ (2)

تعزیراتی قوانین کا تعلق ان سزاؤں سے ہے جو حد کے علاوہ ہیں۔ حدود کی مقررہ سزاؤں کے علاوہ دیگر سزاؤں کو تعزیری سزا میں شمار کیا جاتا ہے، یعنی ایسی سزائیں جن کے متعلق شریعت نے معاملہ حاکم وقت اور قاضی القضاۃ کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، وہ چاہے تو سزا کو کم یا زیادہ کر سکتا ہے، البتہ وہ سزائیں قرآن وسنت سے متصادم نہ ہوں۔ مثال کے طور پر حدود کے مشتبہ ہونے کی بنا پر سزا کو تعزیر میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، جس سے جرم کی زیادہ سے زیادہ سرکوبی ہو سکے اور وہ معاشرے کا ناسور بننے سے پہلے ہی بیخ وبن سے اکھاڑ دیا جائے۔

---

(1) سورۃ القصص، 38/28

(2) سید عبدالرحمن، اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ لائبریری۔ لاہور، ص: 13

حضرت ابوبردہ بن نیار سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' لا یجلد فوق عشرة أسواط الا فی حد من حدود اللہ''۔[1]

''خدا تعالیٰ کیطرف سے متعین شدہ حدوں کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے نہیں لگائے جائیں گے''۔

یعنی اللہ کی طرف سے متعین شدہ حدوں کے سوا کسی طرح کی قانون شکنی کے لیے جس تعداد میں کوڑوں کی سزا کو کافی سمجھا گیا ہے وہ تعداد دس ہے، جس سے تعزیز کا حدود سے خفیف ہونے کا پتا چلتا ہے۔

اسی طرح تعزیرات و حقوق میں تزکیۃ الشہود کا اختیار فریق مخالف کے ہاتھ میں ہے۔

''حدود و قصاص کے سوا باقی تمام امور بشمول تعزیرات اور حقوق مالی و غیر مالی میں تزکیۃ الشہود اس صورت میں کیا جائے گا جب کہ فریق مخالف اس کا مطالبہ کرے''۔[2]

محتسب:

حسب کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں، قرآن مجید میں سورج اور چاند کے مدار اور منازل کو حساب کے معنی میں شمار کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ﴾[3]

''وہی ذات برحق ہے جس نے آفتاب کو تاب ناک اور مہتاب کو منور بنایا ہے اور اس کی منازل مقرر کی ہیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کا علم حاصل کر سکو''۔

اسی طرح احتساب کے معنی اجر و ثواب کے لیے کوئی کام کرنے کے ہیں:

---

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب کم التعزیر والأدب، الرقم:6848

(2) مسودہ اسلامی قانونِ شہادت، آرڈیننس ۱۹۸۲، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد- پاکستان، 1982ء، ص:19

(3) سورۃ یونس، 5/10

''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ'' (1)

''وہ شخص جس نے ایمان کے ساتھ اور احتساب کے ساتھ صیام رمضان کا اہتمام کیا اُس کے وہ سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں جو وہ پہلے کر چکا ہے''۔

اصطلاحی لحاظ سے علامہ ماوردی نے احتساب کی یہ تعریف کی ہے:

''الحسبة: هي أمر بالمعروف إذا ظهر تركه، ونهي عن المنكر إذا أظهر فعله''۔ (2)

''کسی اچھائی کا ترک اور کسی برائی کا ارتکاب اگر کھلم کھلا ہو تو اس کا سد باب احتساب ہے''۔

علامہ ماوردی احتساب کی درج ذیل شکلیں تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"محتسب کے لیے احتساب فرض عین ہے، کیوں کہ اس پر فرائضِ احتساب حکومت کیجانب سے تعین شدہ ہوتے ہیں اور متنفل (رضاکار) کے لیے اس کی نوعیت فرض کفایہ کی ہے............۔جن چیزوں کا تعلق عرف اور مصالح عامہ سے ہے ان میں محتسب اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر سکتا ہے اور متنفل کو اس کی اجازت نہیں ہے"۔(3)

اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ احتساب کا ادارہ کوئی جدید ادارہ نہیں ہے۔ دراصل ریاست اور حکومت کے ڈھانچے اور ساخت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ریاستی امور کی درست سمت میں انجام دہی کی نگہداشت کے لیے ایک مستقل ادارہ ضرور موجود ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر ایم ایس ناز کی تحقیق کے مطابق عہد حاضر میں احتساب کے ادارے کا وجود کچھ حد تک انیسوی صدی اور زیادہ تر بیسوی صدی عیسوی میں نظر آتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو احتساب کا ادارہ سویڈن میں 1809ء، فن لینڈ میں 1919ء، ڈنمارک میں ۱۹۵۴، ناروے میں 1962ء، برطانیہ میں 1967ء، اور کینیڈا میں 1970ء میں قائم کیا گیا۔ یہ ادارہ تنزانیہ، ماریشس، سیلون، بھارت اور جمیکا کے علاوہ نیوزی لینڈ میں بھی قائم کیا گیا۔(4)

---

(1) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب : صوم رمضان احتسابا من الایمان، الرقم:38

(2) الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن محمد، الاحکام السلطانية، دارالحدیث-القاهره، ج:1، ص: 349

(3) ایضاً، ص:232

(4) ایم ایس ناز، (1999ء)، اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد، ص:352

احتساب عہد نبوی، خلفاراشدین اوراب تک سلسلہ بہ سلسلہ اپنی روایت قائم رکھے ہوئے ہے۔اس کے لیے عہد حاضر کی ریاست مختلف ناموں سے ادارے قائم کرتی ہیں جو بلا تفریق ملک کے ہر ادارے کو شفاف اور منصفانہ بنانے کے لئے احتساب کا عمل لاگو کرتے ہیں۔ جدید مفکرین کا یہ نظریہ کہ احتساب کی روایت مغرب نے ڈالی ہے، بلکہ غلط ہے، کیونکہ احادیث وآثار احتساب کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔

مغرب کے اس تاثر کو غلط قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر ایم ایس ناز لکھتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا بازار سے گزر ہوا توآپ نے ایک وزن کرنے والے سے فرمایا: (يَا وَزَّانُ زِنْ وَأَرْجِحْ)(1) ''اے تولنے والے! تولواور جھکتا ہواتولو''۔ ....عہد رسالتؐ کے احتساب کے متعلق احادیث میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض چونکہ عمال کا احتساب ہے،اس لئے رسولؐ نے اس طرف بطور خاص توجہ مبذول فرمائی"۔(2)

مملکت پاکستان میں محتسب کے ادارے کا باقاعدہ قیام ۱۸ اگست ۱۹۸۳ کو عمل میں لایا گیا۔پہلے وفاقی محتسب کے بقول''کسی ملک کی انتظامیہ کے لیے غیر جانبدارانہ احتساب کا اہتمام کرنا اقوام عالم کی بنیادی ضرورت بنتا جارہاہے۔(3)

اسلامی اقدار کا تحفظ وفروغ، ریاست کے شہریوں کی شکایات سن کر ان سے ہونے والی ظلم وزیادتی کو رفع کرنااور تفتیش کرکے انہیں انصاف دلانا، انفرادی حقوق کی خلاف ورزی کو روکنا، لاپروائی اور فرائض سے غفلت برتنے والوں کا محاسبہ کرنا، انتظامی فیصلوں کا جائزہ لینااور کارکردگی کو بہتر بنانا ہی اصل میں نظام عدل وانصاف کے تمام اعضاء کا مدعااور غایت ہے۔

جدید قوانین شریعت اسلامیہ سے کسی طور زیادہ موثر نہیں ہو سکتے۔ڈاکٹر عبدالقادرہ عودہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''شریعتِ اسلامیہ جدید قوانین سے اس ضمن میں ممتاز ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اس نظریے سے (یہ کہ ترکِ عمل بھی جرم کے وقوع کا سبب بن سکتا ہے) ساتویں صدی سے متعارف ہے، جبکہ جدید قوانین اس نظریے سے

---

(1)ابن ماجہ،أبوعبداللہ محمد بن یزید،(1418ھ)،سنن ابن ماجہ،دار الجیل،بیروت،۔الرقم:2220

(2)ایم ایس ناز،اسلامی ریاست میں محتسب کاکردار،ص:243-244

(3)ایضاً،ص:362

انیسویں صدی میں آکر متعارف ہوئے ہیں۔اس لحاظ سے جدید قوانین نے وہ چیز دریافت کی ہے، جس کی جانب شریعت اسلامیہ پہلے ہی سبقت کر چکی تھی"۔(1)

عہد حاضر کی ریاست میں حکومتی امور کی انجام دہی اور خصوصاً قیامِ امن کے لئے جو ادارے قائم کئے گئے ہیں اُن کی بنیاد تخصیص کار اور تقسیم فرائض پر رکھی گئی ہے کیونکہ تمدن بہت ترقی کر چکا ہے اور معاشرے میں ریاستی عمل دخل بہت کچھ بڑھ چکا ہے۔ لیکن قرآن کی روشن ہدایات کی روشنی میں جو اساسی اصول اور مبادیات طے کئے گئے ہیں وہ نہ صرف آج بھی مؤثر و نتیجہ خیز ہیں بلکہ عصر حاضر کی اُن تحدیات اور تقاضوں کے لئے واضح اور قابلِ عمل حکمت عملی اور طریقہ ہائے کار بھی عطا کرتے ہیں جن سے نبرد آزما ہونا ماہرین سیاسیات و عمرانیات اور مدبرینِ امورِ جہانبانی کے لئے ایک عقدہ لاینحل بن چکا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(1) عودہ، عبدالقادر، اسلام کا فوجداری قانون، مترجم: ساجد الرحمن کاندھلوی، ج:1، ص:109